علامہ شبلی کی موعودہ کتب

خالد ندیم*

ABSTRACT:

Although Allama Shibli Noumani passed away in the age of fifty five years, yet he contributed in Urdu literature as much as an institute despite adverse circumstances which he faced throughout his life. He was not only a literary historian but he was recognized as an educationist, intellectual, critic, researcher, biographical writer, poet and epistolary writer. He planned many projects, some of them were completed while few remained incomplete. This article presents the details of those incomplete projects.

علامہ شبلی نعمانی کی زندگی تصنیف و تالیف سے یوں وابستہ رہی کہ اوائلِ نوجوانی سے آخری ایام تک وہ کسی نہ کسی موضوع پر لکھتے رہے۔ ابتدا میں فروعی مسائل پر قلم اُٹھایا اور اسکات المعتدی علیٰ انصات المقتدی اور ظل الغمام فی مسئلہ القراۃ خلف الامام لکھیں، جس کے بعد مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم اور الجزیہ کے ذریعے انھوں نے خالص علمی موضوعات پر طبع آزمائی کی؛ المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق اور اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر نامی سوانح عمریاں تحریر کیں؛ روم و مصر و شام کی سیاحت پر مشتمل ایک سفرنامہ لکھا؛ الغزالی، علم الکلام، الکلام اور سوانح مولانا روم کے نام سے مسلم فلسفہ کی تاریخ مرتب کی اور موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم کے ذریعے ادب کی خدمت کی۔ اس کے علاوہ ان کے مقالات، خطبات، اردو و فارسی شاعری اور اردو و فارسی اور عربی مکتوبات بھی یادگار رہیں۔

علامہ شبلی محض ستاون برس کی عمر میں علم و ادب کی اس قدر خدمت کر سکے، جس کا بالعموم تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بزرگوں اور عزیزوں کی طرف سے عدم تعاون، دو بیویوں اور بعض بچوں کی وفات، دوستوں کی بے اعتنائی، ندوہ میں شدید مخالفت، اپنی ناقدری کا احساس، اوائل عمری سے صحت کی دِگرگوں صورتِ حال، حتیٰ کہ پچاس سال کی عمر میں ایک ٹانگ کا پنڈلی تک کٹ جانا، آخری عمر میں ندوہ سے اخراج، یہ معمولی تکلیفیں نہ تھیں؛ لیکن علامہ کی تگ و تاز اور تصنیف و تالیف میں کوئی امر مانع نہ ہوا اور وہ چومکھی لڑائی لڑتے ہوئے اتنا کام کر گئے، جتنا کوئی ادارہ ہی کر سکتا ہے، اس کے باوجود شبلی کے

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ سرگودھا　　برقی پتا: dr.khalidnadeem@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۱۷/۱/۲۰۱۴ء

بعض منصوبے روبعمل نہ ہوسکے۔ان کی بعض تحریروں میں ان کے متعدد ارادوں کا ذکر ملتا ہے۔ان منصوبوں میں چند ایک کا آغاز بھی ہوا اور کچھ خیال سے آگے نہ بڑھ سکے۔ذیل میں ان تمام ارادوں اور منصوبوں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

ردِتذکرۃ [المنتھی فی ردِ اسکات المعتدی]

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ [علی گڑھ] کالج جانے سے پہلے غیر مقلدین سے مناظرے کا بہت شوق تھا۔ حافظ سلامت اللہ صاحب جیراج پوری اعظم گڑھ میں غیر مقلدوں کے سرگروہ تھے،تقلید وحنفیت کے رَد میں وہ چھوٹے چھوٹے رسالے لکھتے تھے،مولانا [شبلی] ان کا جواب دیتے تھے(۱)۔اسی سلسلے میں انھوں نے علامہ شبلی کا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ 'امام کے پیچھے قرأتِ فاتحہ نہ صرف یہ کہ واجب نہیں، بلکہ مکروہ ہے'؛ اسی بنا پر انھوں نے اسکات المعتدی علی انصات المقتدی کے نام سے عربی میں چوبیس صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ لکھا۔اس رسالے میں مولانا شبلی نے متن میں 'قال بعض العلما' لکھ کر مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی تحقیق کا رَد کیا تھا۔مولانا عبدالحی کے شاگروں میں سے مولانا نور محمد ملتانی نے تذکرۃ المنتھی فی رَدِّ اسکات المعتدی کے ذریعے شبلی کے رسالے کا جواب دیا۔مولوی محمد عمر کے نام ایک فارسی خط مرقومہ ۷/اکتوبر ۱۸۸۲ء میں شبلی اس رَد کا جواب لکھنے میں حائل بعض مجبوریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ...... بارے توفیقت رہبری کرد کہ حنا از پاے خامہ کشادی وطرح مکاتبت درمیان نہادی، پارہ از ردّ تذکرہ برزبانِ قلم آمدہ بود کہ ہمدرین میان مارابکار امانت گماشتند واز ہجومِ کار وتراکم افکار کمری سنج کردن نتوانستم وچو ازایں کشمکش فارغ نشستم دیگر روے داد، یعنی کارم بہ گودام ومتعلقات او افتاد وہر چند آں چناں کارے سزاے ایں ہیچکارہ نہ بود مگر مرا از امتثال امر حضرت قبلہ گاہی چارہ نہ بود، اکنونکہ ازیں ہرزہ گرد بہا ستوہ آمدہ خودرا دراین جارساندہ ام، اِن شاء اللہ دراندک زمانے از عہدۂ ردِ تذکرہ بدرمے آیم (۲)۔

لیکن دستیاب معلومات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ شبلی یہ رسالہ نہ لکھ سکے۔

تاریخِ بنی العباس

شروع شروع میں شبلی نے بنی عباس کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا،البتہ اس کے بارے میں پہلی مرتبہ انھوں نے ۱۸۸۳ء میں ذکر کیا اور مولوی محمد سمیع کو لکھا کہ 'مجھ کو تو آج کل تاریخِ بنی العباس کی پڑی ہے۔'(۳) ۹/اپریل ۱۸۸۴ء کو مطلع کیا کہ 'اِس وقت تک مَیں معتصم کا حال لکھ رہا ہوں اور پہلی جلد اِن شاء اللہ یہیں تک ختم کردی جائے گی'(۴) لیکن ۲۷/نومبر ۱۸۸۴ء کو انھی کے نام خط میں اپنی مصروفیات کے تذکرے کے بعد بتایا کہ 'اپنی کیا بتاؤں! وہی تاریخ کا جھگڑا ہے، ہر روز چار سطریں لکھ لیتا ہوں۔'(۵) یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مذکورہ تاریخ کی پہلی جلد، جو معتصم تک ختم ہوئی تھی، بعد میں کتابی صورت میں شائع کیوں نہ ہوسکی؟ سید سلیمان ندوی کا کہنا ہے، افسوس کہ اِس تاریخ کا خیال بعد کو چھوڑ دیا گیا اور 'مشاہیر فرماں روانِ اسلام' تک محدود کردیا گیا(۶)۔

ہیروز آف اسلام

تاریخ بنی العباس کا خیال ترک کرنا پڑا تو انھوں نے اپنے منصوبے کو ہیروز آف اسلام تک محدود کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے المامون (مطبوعہ ۱۸۸۷ء) کے دیباچے میں لکھا:

ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بسیط تاریخ لکھوں، لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ مَیں تمام خاندانوں کا استقصا کر سکتا تھا، نہ کسی خاص سلسلے کے انتخاب کی مجھ کو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی۔ آخر مَیں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیرو آف اسلام (یعنی نامور فرماں روانِ اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں، جس کا طریقہ یہ ہو کہ اسلام میں آج تک خلافت و سلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے، ان میں سے صرف وہ نامور انتخاب کیے جائیں، جو اپنے طبقے میں عظمتِ حکومت کے اعتبار سے اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے اور ان کے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو۔ جن خاندانوں کو مَیں نے اس غرض سے انتخاب کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں (۷)۔

اس کے بعد شبلی نے مختلف حکمران سلسلوں میں سے ایک ایک ممتاز حکمران کو منتخب کیا، یعنی خلفاے راشدین میں سے حضرت عمر فاروقؓ، بنو اُمیہ سے ولید بن عبدالملک، عباسیہ سے مامون الرشید، بنو اُمیہ اندلس سے عبدالرحمن ناصر، بنو حمدان سے سیف الدولہ، سلجوقیہ سے ملک شاہ، نوریہ سے نور الدین محمود زنگی، ایوبیہ سے صلاح الدین ایوبی، موحدینِ اندلس سے یعقوب بن یوسف اور ترکانِ روم سے سلیمان اعظم۔ دیگر حکمران خاندانوں سے صرفِ نظر کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے شبلی نے لکھا:

ان خاندانوں کے سوا اَور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں، جو تاج و تخت کے مالک ہوئے، مگر مَیں نے ان کو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں سے متعلق (مثلاً غزنویہ، مغلیہ، تیموریہ) تو اس وقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں، بعض ایسے ہیں کہ شانِ حکومت یا وسعتِ سلطنت کے اعتبار سے ان کو یہ رُتبہ حاصل نہیں کہ ہیروز کے معزز دربار میں ان کے لیے جگہ خالی کی جائے (۸)۔

اگرچہ تمام مسلم حکمران خاندانوں میں سے چند خاندان منتخب کیے اور پھر ہر خاندان سے ایک ممتاز حکمران چنا، لیکن اس کے باوجود شبلی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ انھوں نے بتایا:

جس زمانے میں مجھ کو ہیروز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا، اُسی وقت یہ خیال بھی آیا کہ ہمارے ملک میں جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے، وہ اس مقصد کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی خیال تھا، جس نے اوّل اوّل اس سفر [روم و مصر و شام] کی تحریک دل میں پیدا کی، کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے، ان سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے (۹)۔

لیکن شبلی کی مجوزہ فہرست میں سے حضرت عمر فاروق (الفاروق) اور مامون الرشید (المامون) ہی ان کی تحقیق کا

موضوع بن سکے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ سلسلہ تیموریہ شبلی کے پیش نظر نہ تھا، مگر دسمبر ۱۹۰۶ء سے مارچ ۱۹۰۸ء کے دَوران انھوں نے الندوہ میں اس خاندان میں سے اورنگ زیب عالم گیر پر سلسلہ مضامین شروع کیا، جنھیں بعد میں اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر کے نام سے کتابی صورت میں ۱۹۰۹ء میں شائع کر دیا گیا۔ اگرچہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۱۰ء کو سید احمد مرتضیٰ نذر کے نام لکھے گئے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو میں لکھی گئیں سلطان صلاح الدین ایوبی کی سوانح عمریوں کو لغو سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مدت تک سلطان ایوبی کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ باندھتے رہے، لیکن وہ ایسا کر نہ سکے اور نہ انھیں تب اس کے لکھنے کی امید ہی رہی تھی (۱۰)۔ اس طرح 'ہیروز آف اسلام' کے سلسلے سے تین حکمرانوں پر تصانیف معرضِ تحریر میں آسکیں؛ جب کہ آٹھ حکمرانوں، یعنی ولید بن عبدالملک، عبدالرحمن ناصر، سیف الدولہ، ملک شاہ، نور الدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی، یعقوب بن یوسف اور سلیمان اعظم سے متعلق ان کے منصوبے روبعمل نہ ہوسکے۔

نامورانِ اسلام

۱۸۹۲ء میں جب سیرۃ النعمان شائع ہوئی تو 'ہیروز آف اسلام' میں کسی قدر ترمیم کا اظہار ہوا۔ شبلی نے اس کے دیباچے میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

> 'نامورانِ اسلام'، جس کا ایک بڑا حصہ المامون چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اوّل مجھ کو اس کا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا۔ جس طرح مَیں نے خلافت وسلطنت کے مختلف خاندانوں سے نامور انتخاب کیے؛ ارادہ تھا، اسی طرح سے علوم وفنون کے جدا جدا خاندان قائم کیے جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، ان کو سلسلے کا ہیرو قرار دیا جائے، مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا؛ مجبوراً حیثیتِ حکومت کی قید لگا کر مَیں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا، بلکہ سلسلۂ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیے، تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہلِ کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف والقلم توأمان (۱۱)۔

'نامورانِ اسلام' میں سوائے امام ابوحنیفہؒ (سیرۃ النعمان)، امام غزالیؒ (الغزالی) اور مولانا روم (سوانحِ مولانا روم) کے، وہ کسی اَور علمی شخصیت کی سوانح وشخصیت پر تصنیف پیش نہ کر سکے، لیکن الغزالی اور سوانحِ مولانا روم کو 'نامورانِ اسلام' کے بجائے سلسلہ کلامیہ میں شمار کیا جانا چاہیے؛ یوں نامورانِ اسلام میں سے صرف امام ابوحنیفہ پر کتاب تالیف ہوسکی۔

قرآن کا اعجاز

۲۱ر اکتوبر ۱۸۹۲ء کو مولوی سید ممتاز علی (۱۸۶۰ء-۱۹۳۵ء) کو اپنے تصنیفی ارادوں سے متعلق مطلع کرتے ہوئے وہ 'قرآنِ مجید کا اعجاز' کا ذکر کرتے ہیں (۱۲) اور 'اعجاز القرآن' کے نام سے علامہ کی ایک مختصر تحریر مقالات کی جلد پنجم میں شامل ہے، البتہ اس کے علاوہ اس منصوبے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

علوم القرآن

محسوس ہوتا ہے، شبلی کا 'قرآنِ مجید کا اعجاز' نامی منصوبہ مسلسل ان کے ذہن میں گردش کرتا رہا اور اس کے بارے میں متواتر سوچ بچار کرتے رہے، چنانچہ یکم دسمبر ۱۹۰۹ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ایک خط میں ندوہ میں اپنی روزافزوں مصروفیات کی بابت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'اِدھر علوم القرآن لکھنا شروع کر دیا ہے، وہ بھی کچھ ہو جائے گا'۔(۱۳) لیکن شاید اس طرف بھرپور توجہ نہ دے سکے، کیونکہ ریاست ٹونک کے سررشتہ دار سید احمد مرتضیٰ نذر کے نام ۶/ستمبر ۱۹۱۰ء کے مراسلے میں شعر العجم کی چوتھی جلد کا ذکر کرتے ہیں، جس کی تکمیل میں ان کا زیادہ وقت صرف ہو رہا تھا، ساتھ ساتھ دعا کرتے ہیں کہ 'خدا جلد اس سے فرصت دے، اصلی کام علوم القرآن اور آنحضرتؐ کی سوانح عمری ہے، ان کے انجام کی خدا توفیق دے۔'(۱۴)

شبلی اُن دِنوں پچپن برس کے ہو گئے تھے اور قویٰ میں اضحلال محسوس کرنے لگے تھے، علاوہ ازیں ان کی خوراک دن بھر میں صرف ایک چپاتی رہ گئی تھی؛ چنانچہ وہی ہوا، جس کا شبلی کو خدشہ تھا۔ اگرچہ سیرت النبی کی تالیف کا اتنا سامان ہو گیا کہ ان کے شاگردِ رشید، سید سلیمان ندوی کی توجہ سے یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن وہ زیرِ نظر منصوبے پر باقاعدہ کام نہ کر سکے، البتہ چند ایک مقالات سے اس موضوع سے ان کی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً 'علوم القرآن'، 'تاریخِ ترتیبِ قرآن'، 'اختلافِ مصحف اور قرأت'، 'قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں؟'، 'قضا و قدر اور قرآنِ مجید'، 'یورپ کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ'، 'قرآنِ مجید کی تدوین کی کیفیت' اور 'تحریر و کتابت'۔ سید سلیمان ندوی نے یہ تمام تحریریں مقالات کی جلد اوّل میں شامل کر دی ہیں۔

عربی شاعری کی تاریخ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، ۲۱/اکتوبر ۱۸۹۲ء کو شبلی نے اپنی تین تصانیف کے منصوبے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اُن میں قرآنِ مجید کا اعجاز، فارسی یا عربی شاعری کی تاریخ اور الغزالی شامل ہیں۔ اس موضوع پر ان کی دو تحریریں 'عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ' اور 'شعر العرب' مقالات کی دوسری جلد میں شامل ہیں، تاہم انھوں نے عربی شاعری کی تاریخ پر باقاعدہ کام نہیں کیا۔ اس کے برعکس شعر العجم کے نام سے پانچ جلدوں میں فارسی شاعری کی تاریخ مرتب کر دی۔ شعر العجم کے مندرجات کو دیکھتے ہوئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر شبلی عربی شاعری کی تاریخ پر توجہ دے سکتے تو اردو میں ایک اور نادر کتاب کا اضافہ ہو جاتا۔

اخلاقِ عرب

علامہ شبلی کا ایک مضمون بعنوان 'حضرت اسماء' مقالات کی پانچویں جلد میں پہلی تحریر کے طور پر شامل ہے، جس کے ذیلی عنوان کے طور پر 'اخلاقِ عرب' مندرج ہے۔ اس ذیلی عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ ایسا منصوبہ تھا، جس کے تحت وہ کوئی سلسلۂ مضامین لکھنا

چاہتے تھے۔اسی جلد میں 'متنبّی' کے نام سے ایک اَور مضمون بھی شامل ہے،جس کے آغاز میں علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ الندوہ میں ہم نے اخلاقِ عرب کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا،جس کا صرف ایک نمبر نکل کر رہ گیا۔آئندہ وہ سلسلہ پھر شروع ہوگا،لیکن اس مضمون میں بھی اس عنوان کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے،(۱۵) لیکن دستیاب معلومات کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان دومضامین کے علاوہ وہ اس منصوبے پر زیادہ توجہ صرف نہ کر سکے اور یہ سلسلۂ مضامین جاری نہ رہ سکا اور کوئی تالیف بھی منصۂ شہود پر نہ آسکی۔

مشاہیر رجال

سفرِ روم کے حاصلات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شبلی کو مشاہیر رجال کے سوانح حالات قلم بند کرنے کا خیال آیا۔منشی شرف الدین رام پوری کے نام ۲۹؍دسمبر ۱۸۹۲ء کے خط میں پوری تفصیل لکھتے ہیں:

> میرا ایک مدت سے خیال ہے کہ بڑی بڑی سوانح عمریاں تو مدتوں میں لکھی جاسکتی ہیں،لیکن ناموارانِ سلف کے مختصر حالات بھی اگر چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل میں شائع ہوں تو نہایت مفید ہے۔مَیں نے ترکی میں اس قسم کا ایک سلسلۂ تصنیف دیکھا،جس کا نام مشاہیر رجال ہے۔اس میں نظام الملک،فخر رازی،مولوی روم اور بہت سے بزرگوں کے حالات میں مستقل رسالے ہیں اور ان کو یکجا کر کے ایک مجموعہ چھاپا گیا ہے۔اس کو دیکھ کر مجھ کو خیال ہوا کہ ہمارے ملک میں بھی اس قسم کا ایک سلسلہ قائم ہونا چاہیے،یعنی قوم کے چند اعیان،چند بزرگوں کے حالات لکھیں اور ان سب کو ایک مجموعے کی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا جائے،چنانچہ مَیں نے بعض دوستوں سے اس کے متعلق خط وکتابت بھی کی ہے اور کر رہا ہوں (۱۶)۔

اس سلسلے میں بعض شخصیات پر ان کی کچھ تحریریں ملتی ہیں،جو اَب مقالات کے جلد پنجم میں شامل ہیں،مثلاً 'علامہ ابن تیمیہ حرانی'،'متنبّی'،'موبدانِ مجوس'،'زیب النسا'،'مولوی غلام علی آزاد بلگرامی' اور 'فریدی وجدی بک'۔

بعدازاں ان میں سے سوانحِ مولانا روم کے نام سے ایک منصوبہ روبعمل ہوسکا،جب کہ نظام الملک،فخر الدین رازی یا دیگر بزرگوں اور اعیان سے متعلق سلسلہ تصانیف شرمندۂ تصنیف نہ ہوسکا۔

سیرت ابنِ رُشد

علامہ شبلی کا ذہن بہت جدید تھا،لیکن ان کا دل مشرقی اور مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا،چنانچہ ان کی شخصیت کے بعض بہت دلچسپ پہلو نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔غالباً یہ سرسید کی صحبت کا اثر تھا کہ وہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں معتزلہ سے متعلق کتابوں کے متلاشی رہے،دوسری جانب وہ ریاست حیدرآباد میں اپنی ملازمت اور ندوۃ العلما کے زیرِ اثر بہت محتاط بھی تھے؛ چنانچہ انھوں نے مسلم فلسفے پر لکھتے ہوئے نہایت احتیاط سے قدم آگے بڑھائے،تاکہ وہ اپنی بات بھی کہہ سکیں اور کسی بڑی مخالفت سے بھی محفوظ رہیں۔اس بات کا ثبوت مہدی افادی کے نام ان کا ۱۱؍مئی ۱۹۰۲ء کو لکھا ہوا ایک خط ہے۔شبلی لکھتے ہیں:

> مَیں علما وغیرہ کو جس سطح پر لانا چاہتا ہوں،اس کے لیے زینے درکار ہیں۔الغزالی پہلا زینہ ہے،دوسرا تاریخِ علم

کلام [علم الکلام]، پھر اصلی سطح، یعنی علمِ کلامِ جدید [الکلام] ہے، جو زیرِ تصنیف ہے۔......غزالی میں اگر کھل کھیلتا تو علما برسوں، بلکہ قرنوں کے لیے ہاتھ سے نکل جاتے اور مجھ کو ان سے کٹ کر الگ رہنا منظور نہیں (۱۷)۔

اگرچہ اس سلسلۂ کلامیہ میں انھوں نے مزید کسی شخصیت یا زینے کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان کتابوں کی اشاعت (الغزالی ۱۹۰۲ء، علم الکلام ۱۹۰۳ء اور الکلام ۱۹۰۴ء) کے عرصے، یعنی ۹/مارچ ۱۹۰۳ء کو مولانا حمید الدین فراہی کے نام ایک خط میں مطلع کرتے ہیں:

مَیں نے علم الکلام نہایت ناتمام کتاب لکھی اور وہ درحقیقت میری تصنیفات کا سب سے ناقص حصہ ہے۔ جدید علمِ کلام غالباً اچھا لکھا جائے، بہت کچھ ہو چکا ہے۔ عنقریب ہی ابنِ رُشد کی لائف لکھنا چاہتا ہوں (۱۸)۔

ابنِ رُشد کی حیات وافکار پر شبلی کی یہ تحریریں الندوہ کے جلد اوّل نمبر ۳، معارف جلد ۲ عدد ۱۲، جلد اوّل نمبر ۷ اور جلد ۳ نمبر ۶ میں چھپتی رہی ہیں، جو بعد میں مقالاتِ شبلی جلد پنجم (ص ۹-۴۹-۱۵) میں شامل ہوا۔ شبلی اس موضوع پر مزید دادِ تحقیق وتنقید نہ دے سکے اور تقریباً پینتیس صفحات پر مشتمل یہ مضمون کبھی توسیع نہ پا سکا اور نہ ہی کتابی صورت اختیار کر سکا۔

ابنِ خلدون کا ترجمہ

امیر عبدالرحمن والیِ کابل کو ابنِ خلدون کے ترجمے کا خیال ہوا تو انھوں نے اپنے سفیر کے ذریعے اس منصوبے پر کام کرنے کے لیے مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ شبلی نعمانی کی رضامندی معلوم کی۔ شبلی نے اوّل اوّل اپنی خرابیِ صحت کے باعث انکار کیا، لیکن بعدازاں اعزہ واحباب کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ اس پر سفیر نے کُل ترجمے اور اس سے متعلق تمام تر امور کا اہتمام شبلی کے سپرد کر دیا اور دس ہزار روپے کی رقم بطور معاوضہ بالاقساط یا یکمشت ادا کرنا منظور کیا۔ ٹائپ کے درآورد خط میں سات ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ترجمے کے لیے شبلی نے تین برس کا وعدہ کیا۔ بعدازاں شبلی نے مولانا حمید الدین فراہی کو بھی اس کام میں شامل ہونے کی دعوت دی، حتیٰ کہ وہ اپنی نگرانی میں سارا کام فراہی صاحب کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

اس سارے منصوبے کی تفصیل مولانا حمید الدین فراہی کے نام ۳/جولائی ۱۸۹۹ء اور ۱۸/جولائی ۱۹۰۰ء کے خطوں میں اور نواب سید علی حسن خاں کے نام ۹/اگست ۱۸۹۹ء کے خط میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے (۱۹)۔

ایک تو یہ مجوزہ کام ترجمے پر مشتمل تھا، دوسرے یہ ترجمہ مولانا حمید الدین فراہی کے سپرد کر دینے کا ارادہ تھا اور حتمی بات یہ کہ یہ سارا منصوبہ روبعمل ہی نہ ہو سکا، اس لیے اسے موعودہ کتب میں شامل کرنے کا کوئی جواز نہ تھا، لیکن چونکہ اس کی اشاعت کی صورت میں اس پر شبلی کا نام بھی درج ہوتا اور اسے شبلی کے علمی کاموں میں شمار کیا جاتا، اس لیے اس علمی منصوبے سے آگاہی ناگزیر تھی۔

....

دیکھنا یہ ہے کہ شبلی اتنے منصوبے پایۂ تکمیل کو کیوں نہ پہنچا سکے؟ بلاشبہ علامہ شبلی نے بھرپور علمی زندگی بسر کی، لیکن یہ بھی

حقیقت ہے کہ ان کے ذہن میں خیالات اتنی تیزی سے جنم لیتے تھے کہ وہ سب کو معرضِ تحریر میں نہ لا سکے۔ وہ ان خیالات کے بارے میں نہایت پُرجوش انداز میں مطلع کرتے ہیں، ان کا اعلان کرتے ہیں اور پھر بعض کا آغاز بھی کرتے ہیں؛ لیکن اکثر روبعمل نہیں ہو پاتے؛ چنانچہ ان کے ہاں پایۂ تکمیل کو پہنچنے والی تصانیف کی نسبت موعودہ کتب کی تعداد اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں اور اگر شبلی تمام موعودہ کتب لکھنے پر قادر ہو سکتے تو یقیناً ان کے علمی مقام و مرتبے میں کئی گنا مزید اضافہ ہو جاتا۔ بہرحال، موجودہ صورت میں بھی ان کی علمی و ادبی حیثیت مسلّم ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) ندوی، سلیمان۔سید۔مکاتیبِ شبلی، جلد دوم، ص ۲۷۸، اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، (۱۹۱۷ء)

(۲) شبلی نعمانی بنام مولوی محمد عمر (فارسی)، مشمولہ مکاتیبِ شبلی، جلد دوم، ص۲۷۹-۲۷۸، ۷/۱۰/۱۸۸۲ء

(۳) شبلی نعمانی بنام مولوی محمد سمیع، ؟/؟/ ۱۸۸۳ء، مکاتیبِ شبلی، جلد اوّل ص ۵۴، اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، ۱۹۱۶ء

(۴) شبلی نعمانی بنام مولوی محمد سمیع، مکاتیبِ شبلی، جلد اوّل، ص ۴۷، ۹/اپریل ۱۸۸۴ء

(۵) ایضاً ص۸۷، ۲۷/نومبر ۱۸۸۴ء　　(۶) ندوی، سلیمان۔سید۔جلد اوّل ص ۴۷

(۷) نعمانی، شبلی۔دیباچہ المامون، دہلی: افضل المطابع طبع پنجم، ص ۴، (۱۸۸۹)　　(۸) ایضاً ص ۵

(۹) نعمانی، شبلی۔سفرنامۂ روم و مصر و شام، دہلی: طبع اوّل، ص ۱۳، قومی پریس، (۱۸۹۲ء)

(۱۰) شبلی نعمانی بنام سید احمد مرتضیٰ نذر، مشمولہ مکاتیبِ شبلی، جلد اوّل، ص ۳۲۷-۳۲۶، ۱۵/ستمبر ۱۹۱۰ء

(۱۱) نعمانی، شبلی۔(۱۸۹۲ء)، دیباچہ سیرۃ النعمان، طبع دوم، ص ۴، آگرہ: مطبع مفید عام

(۱۲) شبلی نعمانی بنام مولوی سید ممتاز علی، ۲۱/اکتوبر ۱۸۹۲ء، مشمولہ مکتوباتِ شبلی مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ص ۱۷، اعظم گڑھ: ادبی دائرہ، ۲۰۱۲ء

(۱۳) شبلی نعمانی بنام مولانا ابوالکلام آزاد، مشمولہ مکاتیبِ شبلی، جلد اوّل، ص ۲۵۲، یکم دسمبر ۱۹۰۹ء، طبع جدید ۱۹۱۰ء

(۱۴) شبلی نعمانی بنام سید احمد مرتضیٰ نذر، مکاتیبِ شبلی، جلد اوّل، ص ۳۲۶، ۶/ستمبر ۱۹۱۰ء

(۱۵) نعمانی، شبلی۔'متنبّی' مطبوعہ الندوہ لکھنؤ، جون ۱۹۰۵ء بحوالہ مقالاتِ شبلی، جلد پنجم، ص ۶۳، اعظم گڑھ: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، طبع جدید، ۲۰۰۷ء

(۱۶) شبلی نعمانی بنام منشی شرف الدین رام پوری، مکاتیبِ شبلی، جلد اوّل، ص ۳۷۰، مرقومہ ۲۹/دسمبر ۱۸۹۲ء

(۱۷) شبلی نعمانی بنام مہدی افادی، مشمولہ مکاتیبِ شبلی، جلد دوم، ص ۲۳۲-۲۳۱، ۱۱/مئی ۱۹۰۲ء

(۱۸) شبلی نعمانی بنام مولانا حمید الدین فراہی، مشمولہ مکاتیبِ شبلی، جلد دوم، ص ۱۵، ۹ مارچ ۱۹۰۳ء

(۱۹) ندوی، سلیمان۔سید۔بحوالہ بالا صفحات بالترتیب ۸، ۱۱-۱۰، ۱۹۴